Vol.4 No.3 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7615

شمالی امریکا میں اُردو زبان و ادب کا فروغ

THE DEVELOPMENT OF URDU LANGUAGE AND LITERATURE IN NORTH AMERICA

قربان علی

پی ایچ۔ڈی اُردو سکالر، منہاج یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر مختار احمد عزمی

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، منہاج یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

This article presents the development of Urdu language and Literature in North America Continent. In the 1st Decade of the 20th century many people migrated from the Subcontinent to North America, especially in Canada and U.S.A. In fact, these immigrants open the door of Urdu in North America. Many of the people took initiatives and started some associations, organizations and Anjuman to resolve the problems of Indo Pak community and to enhance the worth of their language, literature and civilization. Different people took great steps and started their Radio and T.V channels in Urdu which was a very good addition in Urdu journalism. Due to the efforts of many Urdu lovers it became very flourishing language and started its journey of development in North America. Voice of America Urdu Transmission, Family Radio, UN Radio, Radio Hum Safar, Radio Pakistan, CINA Radio, Punj Radio, Radio WMC, Chin Radio and Radio Zindagi played a very important role by establishing Urdu transmission and programs. International Urdu Forum, Halqa e Arbab e Zauq, Karwan e Fikr o Fun, Urdu Markaz, Urdu Society, Ghalib Academy, PSAA, and APNA etc are some of the well known societies which are working with full zeal and zest.

KEYWORDS: Immigrants, CINA, PSAA, APNA, Poetry, Prose, Journalism, Conferences, Universities.

برِاعظم شمالی امریکا دنیا کا تیسرا بڑا برِاعظم ہے جس میں دنیا کے تین بڑے ممالک امریکا، کینیڈا اور میکسیکو شامل ہیں اس برِاعظم کی آبادی اگرچہ کم ہے لیکن یہ خطہ سیاسی، معاشی اور معاشرتی حیثیت سے سب سے زیادہ اہم ہے۔ شمالی امریکا اپنی تاریخ، تہذیب اور معاشرت کے لحاظ سے بہت دل چسپ بھی ہے اور متاثر کن بھی۔ اس کی گوناگوں زندگی اور مضبوط معیشت نے دنیا بھر کے افراد اور اقوام کی توجہ کو اپنی طرف مائل کر رکھا ہے لہذا دنیا بھر کے ممالک سے لوگ شمالی امریکا کا رخ کرتے ہیں یہاں کاروبار کرتے ہیں علم حاصل کرتے ہیں اور ان میں سے بیش تر یہاں ایک بار آ جانے کے بعد آباد ہو جانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ شمالی امریکا کے دو بڑے ملک امریکا اور کینیڈا بالخصوص جدیدیت کے علمبردار کی حیثیت سے مانے جاتے ہیں۔

امریکا اپنی مضبوط معیشت اور اختیار کی بدولت دنیا کے تقریباً تمام ممالک کو بالواسطہ یا بلاواسطہ متاثر کر رہا ہے۔ امریکا کے یہ اثرات صرف سیاسی نہیں ہیں بلکہ اپنی زبان، تہذیب اور ثقافت کے لحاظ سے بھی یہ دنیا پر چھایا ہوا ہے۔ سائنسی ایجادات کی بات ہو یا طرزِ زندگی کے نئے طور طریقوں کی، جو بات امریکا میں رواج پا جاتی ہے وہ دنیا کا رواج بن جاتی ہے۔ اس کی کامیابیاں ان گنت ہیں سائنس، فنونِ لطیفہ، معاشیات، صنعت و حرفت، سیاسیات ہر شعبے میں امریکا ساری دنیا کا پیش رو سمجھا جاتا ہے امریکا میں جو فیشن نکلتا ہے وہ دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچ جاتا ہے، امریکی لٹریچر نے ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، ذرائع ابلاغ پر امریکا کی شہنشاہی ہے انسانی زندگی کا کونسا ایسا شعبہ ہے جو امریکا سے متاثر نہیں۔ امریکا میں مہاجرین کی آبادکاری کا ذکر کرتے ہوئے ادریس تبسم لکھتے ہیں:

"امریکا میں ویسے تو ساری دنیا کے لوگ آباد ہیں ہر رنگ ہر نسل کے بولنے والے آباد کار ہیں امریکا کے خاص طور پر تین شہروں میں جو لوگ آباد ہیں ان شہروں میں شکاگو، نیو جرسی، نیویارک۔ ان تین شہروں کی اکثریت ساؤتھ ایشین لوگ جہاں جہاں سے آکر آباد ہوئے ہیں ان میں پاکستان، انڈیا، بنگلہ دیش، سری لنکا، برما، تھائی لینڈ، نیپال، افغانستان بلکہ ایک اور قوم ہے جس کی تمام بود و باش ساؤتھ ایشین لوگوں جیسی ہے۔ وہ قوم میکسیکن ہے۔"(۱)

برِاعظم شمالی امریکا میں اصلی باشندوں کی تقسیم کچھ اس طرح تھی کہ سطح مرتفع میکسیکو پر وہ کثرت سے آباد تھے شمالی امریکا کے باقی علاقوں میں ان کی تعداد دس لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ کوئی دو ہزار انڈین اور چند ہزار اسکیمو کینیڈا میں آباد تھے۔ آج کل زیادہ تر انڈین لوگ مس سس پی کے مغرب کی طرف ایری زونا اور نیو میکسیکو میں آباد ہیں۔ کینیڈا اور ریاست ہائے متحدہ امریکا کے اکثر باشندے ان لوگوں کی اولاد ہیں جو یورپ سے آکر ان علاقوں میں آباد ہوئے تھے۔ شروع شروع میں نیگرو غلام بھی بکثرت یہاں لائے گئے تھے۔ یہ غلام جنھیں اب آزاد ہوئے عرصہ گزر چکا ہے اس سرزمین کے مستقل باشندوں میں شامل ہیں چنانچہ ریاست ہائے متحدہ امریکا کی آبادی میں 10 فیصد نیگرو ہیں شمالی امریکا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ایشیائی ممالک سے یہاں آکر آباد ہو گئے ہیں۔ چین اور جاپان کے باشندے زیادہ تر اکاہلی ریاستوں خاص طور پر کیلی فورنیا میں آباد ہیں۔ جاپانی لوگ زیادہ تر 1900 اور 1920 کے درمیانی عرصہ میں وارد ہوئے۔ اب بے شمار آباد کار شمالی امریکا میں آباد ہیں جو چار بڑے برِاعظموں کی مختلف اقوام سے وابستہ ہیں۔ گویا کہ شمالی امریکا مختلف نسلوں کے لوگوں کا آمیزہ بن گیا ہے اس لیے اس کو پگھلنے والا برتن یعنی "میلٹنگ پاٹ" بھی کہا جاتا ہے۔ اس مخصوص پُر معنی مقولے سے مراد یہ ہے کہ چار برِاعظموں کے آبادی کے عناصر ریاست ہائے امریکا میں مقیم ہو کر آپس میں مدغم ہو گئے ہیں اور ایک امتیازی امریکن سوسائٹی وجود میں آگئی ہے۔ پس امریکن باشندے بنیادی طور پر مختلف اقوام سے تعلق رکھتے ہیں اور ویلڈ ہو کر ایک امریکی قوم بن گئے ہیں۔ جب دنیا کے تمام برِاعظموں سے مختلف تہذیب و ثقافت اور زبانوں کے حامل افراد ایک ملک میں اتنی تعداد میں اکٹھے ہوتے ہیں تو ایک الگ اور منفرد قسم کا معاشرتی تنوع دیکھنے میں آتا ہے جو یقیناً اپنی جگہ دلچسپ بھی ہوتا ہے اور لوگوں کے لیے ایک تعلیمی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ کیونکہ برِصغیر پاک و ہند کے لاکھوں افراد امریکا میں آباد ہو چکے ہیں اس لیے امریکا میں بولے جانی والی بہت سی زبانوں میں سے ایک اُردو زبان بھی ہے۔ دنیا میں اس وقت جتنی زبانیں بولی جا رہی ہیں ان میں سے آدھی زبانوں کے بولنے والے امریکا میں موجود ہیں۔ امریکا میں اُردو زبان کی تاریخ کے حوالے سے سردار محمد طاہر تبسم لکھتے ہیں:

"امریکہ میں اُردو زبان و ادب کی تاریخ تقریباً ربع صدی پر پھیلی ہوئی ہے جس کی ترویج و تحریر میں اُن ممتاز صاحبان علم و بصیرت شخصیات کی شب و روز کاوشوں کا بڑا دخل ہے۔ جنھوں نے اُردو شاعری، نثر نگاری، غزل، نظم، تخلیقی ادب اور صحافت کے ساتھ ساتھ اپنے اسلامی تشخص اور قومی اقدار کے فروغ میں بھی مثالی کردار ادا کیا ہے۔"(۲)

تقسیمِ ہند کے بعد سے بہت سے اردو گو خاندانوں نے شمالی امریکا کا رخ کیا اور خاص طور پر امریکا اور کینیڈا میں جا کر آباد ہوئے۔ ان خاندانوں میں بلاشبہ بہت سے لوگ اُردو ادب کے بہترین تخلیق کار بھی تھے۔ خود کو معاشی طور پر مضبوط کر لینے کے بعد انھوں نے اپنی توجہ اُردو زبان و ادب کے فروغ اور اشاعت کی طرف دی۔ اس سرزمین پر آباد ہونے والے اردو دوست ہم خیال افراد جب اکٹھے ہونے لگے تو رفتہ رفتہ شمالی امریکا میں ادبی تقاریب اور نشستوں کا آغاز ہوا۔ پہلے پہل یہ نشستیں محدود اور کم تھیں لیکن جوں جوں کچھ متحرک اور سرگرم افراد ان نشستوں میں شامل ہوئے انھوں نے ان تقاریب کے انتظام و انصرام کو چار چاند لگا دیئے۔ امریکا میں اردو زبان کی ترویج و ترقی کا سہرا دراصل انھیں اربابِ علم و دانش کے سر ہے جنھوں نے اردو نظم و نثر اور تخلیقی ادب کے ساتھ ساتھ اردو صحافت اور قومی ورثے کے تحفظ میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ افتخار عارف رقم طراز ہیں:

"یورپ، امریکہ اور خلیج کے اسلامی ممالک میں بالخصوص یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ وہاں مقیم پاکستانیوں میں اپنی قومی زبان سے بے حد تعلق خاطر پایا جاتا ہے اور یہ عنصر شناخت کے بنیادی حوالوں میں شمار ہوتا ہے۔ بیرونِ ملک مقیم پاکستانیوں کی اپنے وطن اور اپنی قومی زبان سے والہانہ محبت اور قومی زبان کے حوالے سے خواہش مند ہوتی ہے کہ اُن کی خدمات کا اعتراف کیا جا سکے"(۳)

پاک وہند سے ہر طبقہ و فکر کے لوگ شمالی امریکہ کے ممالک میں جا رہے تھے۔ ابتدا میں یہ لوگ انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے۔ اکیلا اکیلا آدمی قافلے کا روپ دھارنے لگا۔ امریکہ والوں نے ان ادبی سرگرمیوں کو خوش آمدید کہا۔ لوگوں کی جان پہچان بڑھی۔ ایک دوسرے سے شناسائی کا سلسلہ الفت اور پیار میں تبدیل ہونے لگا۔ دونوں اطراف کے لوگ اُردو کو بولتے اور سمجھتے تھے۔ یوں اُردو مشرق سے دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کے ملک میں داخل ہو گئی۔ اس سفر میں بے شمار لوگوں کی کاوشیں ہیں۔ جن کو کسی شکل میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ڈاکٹرز، انجینئرز، وکلاء اور عام لوگوں کے علاوہ گھریلو خواتین میں بھی امریکہ میں اُردو کے سلسلہ میں پیش قدمی ہوئی۔ اُردو جس کی ابتدا ہندوستان میں ہوئی۔ مگر آج پورے یورپ کے علاوہ دنیا بھر میں اُردو کو پذیرائی حاصل ہو رہی ہے۔ امریکہ میں اُردو کو جو پذیرائی حاصل ہوئی اُس کا اصل کمال تو اُن لوگوں کا ہے جو پاک وہند سے ہجرت کر کے امریکہ کی طرف گامزن ہوئے۔ سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ پردیس جا کر بھی اپنی زبان اور اپنے لوگوں کو بھول نہ سکے۔ وہاں بھی اُردو کے ذریعے انہوں نے نئی بستیاں آباد کر لیں۔ نیر جہاں لکھتی ہیں:

> "امریکہ میں مشرقی ساحل پر نیویارک نے سب سے پہلے اُردو کو گلے لگایا پھر چراغ سے چراغ جلتے چلے گئے۔ آج وہاں آٹھ دس ادبی انجمنیں نہایت خلوص و محبت سے اُردو کے فروغ اور نشوونما کے لیے کام کر رہی ہیں۔ مغربی ساحل پر بھی محبت اور لگن سے فروغِ اُردو کے لیے کام ہو رہا ہے۔ وہاں سب سے فعال تنظیم اُردو مرکز ہے۔" (۴)

اُردو بولنے والے جب قبیلوں کی شکل میں تقاریب اور محافل منعقد کرنے لگے تو شاعری پر جوبن آنے لگا۔ افسانے نے انگڑائی لی۔ ناول نگاری کی طرف توجہ دی جانے لگی۔ یوں میڈیا کے ذریعے بھی تشہیر شروع ہوئی۔ ریڈیو سب سے آسان ذریعہ تھا۔ اس میں پیش رفت ہونے لگی۔ افسانہ نگار سامنے آئے تو تنقید کا در کھلا۔ یوں اُردو کو اُس کا مقام ملنے لگا۔ جو آہستہ آہستہ بڑھتا چلا گیا۔ جواز جعفری لکھتے ہیں:

> "مغرب کے اُردو افسانہ نگاروں میں ایسے قلمکاروں کی کثرت ہے جو اب بھی اپنی کہانی کا موضوع اپنے آبائی معاشرے سے منتخب کرتے ہیں۔ اس کی پہلی وجہ تو تارکین اہل قلم کا وطن اور اُس سے وابستہ یادوں کے بارے جذباتی رویہ اور مغرب کی نئی زندگی کے حوالے سے تجربے اور مشاہدے کا فقدان ہے۔ ایسے لوگ جب یورپ اور امریکہ میں آئے تو اُن کی تربیت مکمل ہو چکی تھی اور زندگی کے بارے میں اُن کے تجربات بھی بڑی حد تک پختہ ہو چکے تھے۔" (۵)

پاک وہند کے وہ لوگ جو اُردو کے لیے کوشاں تھے، اُن کے نزدیک ایک اجتماعیت تھی جن میں اُردو کے لیے ایک ہونے کی تڑپ ضروری موجود تھی۔ اس سے بہترین فائدہ یہ ہوا کہ جو لوگ اُردو کی کسی صنف کے ہنر مند تھے اُن کو اظہار کا موقع میسر آ گیا۔ گھریلو خواتین کے علاوہ ملازمت کرنے والی خواتین نے بھی نثر، شاعری، افسانہ لکھنے کے بارے میں پیش رفت شروع کر دی یوں ایک قافلہ بنتا گیا۔ لوگ آتے گئے اور اُردو مضبوط سے مضبوط ہوتی گئی! کچھ لوگوں نے اس شوق کو اپنا جنون بنا لیا۔ دیارِ غیر میں اُن کو ساتھ مل بیٹھنے کے لیے تقاریب کا ایک بہانہ میسر آ گیا۔ یوں بے شمار ادیب اور شاعر دریافت ہوئے جنہوں نے امریکہ اور کینیڈا جیسی سنگلاخ زمینوں پر اُردو کے ذریعے محبت کے پھول کھلائے۔ معروف پروفیسر، استاد، نقاد اور شاعر جناب افروز تاج جن کا تعلق یونیورسٹی آف نورتھ کیرولائنا، چیپل ہل سے ہے وہ لکھتے ہیں:

> "وطن عزیز سے ہزاروں میل دور، امریکہ نامی انگریزی دان ملک میں مقیم، جن اُردو دانوں نے اُردو زبان و ادب کے تحفظ اور ارتقاء کے لیے قلم اُٹھایا ہے۔ انہیں نہ ادیب و شاعر بننا ہے اور نہ ہی اُن کو کوئی ادیب یا دانشور وغیرہ کہلوانے کا شوق ہے۔ اس اجنبی دیار میں ایسا سوچنا بھی عبث ہو گا۔ یہ بات بہ آسانی کہی جاسکتی ہے۔" (۶)

اُردو کی شمالی امریکہ میں آبیاری کے لیے بے شمار لوگوں نے اپنے اپنے طریقے سے خدمت کی۔ جو شمع حیدر آباد پاکستان سے آئے ہوئے پروفیسر عزیز احمد نے روشن کی تھی اُس شمع کو روشن رکھنے میں پاک وہند کے بہت سے ادیب اور شعراء کرام کا بڑا ہاتھ ہے۔ کینیڈا میں رہنے والے مہاجر خاندان کے لوگوں نے اُردو کو سینے سے لگا یا۔ کینیڈا کے یخ بستہ ماحول میں تقاریب کا انعقاد معمولی بات نہیں مگر جذبہ اور ہمت کے علاوہ کچھ کر گزرنے کا عمل بھی بلندیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ کینیڈا میں ہر طرح کے اور ہر علاقے کے لوگ ملیں گے۔ یہ سب لوگ دنیا بھر کے علاقوں سے ہجرت کر کے دولت کمانے کے لیے یورپ میں آتے ہیں۔ اس طرح جو تقاریب، محافل اور عالمی مجالس منعقد کی جاتی ہیں۔ اُن سے منتظمین تقریب کے اخراجات پورے کرتے ہیں۔

Vol.4 No.3 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7615

شمالی امریکا میں اُردو کی سرگرمیاں عروج پر ہیں۔ بے شمار کتب بازار میں آچکی ہیں۔ جو رہنمائی کے لیے پڑھی جاسکتی ہیں۔ بالی وڈ کی فلمیں کینیڈا کے اکثر سینماؤں میں دکھائی جاتی ہیں۔ اس وجہ سے بھی اُردو کو کوریج ملتی ہے۔ ٹورنٹو شہر اس وقت شمالی امریکہ میں اُردو کا مرکز بن چکا ہے۔ جو لوگ پاک و ہند سے نیو یارک شہر میں مشاعرہ یا تقریب کے سلسلہ میں آتے ہیں۔ وہ شمالی امریکہ میں ٹورنٹو میں بھی ادبی تقاریب کو وقت دیتے ہیں۔ ٹورنٹو شہر کے منتظمین ان مشاعروں اور تقاریب کا تنظیمی لحاظ سے انعقاد کرتے ہیں۔ مہاجر خاندانوں کے لیے یہ دن عید یا ہولی کی طرح ہوتا ہے۔ لوگ ایسی تقاریب کو تہوار سمجھ کر اس میں شامل ہوتے ہیں۔ آج کل مزاحیہ مشاعروں کا رواج بھی عام ہے۔ امریکہ جیسے مصروف ترین ملک کے لوگوں کی ذہنی طبع اور تفریح کے لیے یہ ادبی محافل ایک بہترین تفریح کا سبب بنتی ہیں۔ یوں لوگ ذوق و شوق سے ان محافل میں شامل ہوتے ہیں۔ کینیڈا میں ابتدائی نوعیت مشاعروں کا ذکر کرتے ہوئے معروف ادیب اطہر رضوی لکھتے ہیں:

"1981ء میں راقم نے عظیم پاکستانی شعراء کا شمالی امریکہ میں اولین متعارف کروایا۔ یہ کینیڈا اور امریکہ کے پندرہ بڑے شہروں پر مشتمل ایک مشاعروں کا دورہ تھا۔ یہ دورہ اپنے وقت اور زمانے کے تناظر میں ایک تاریخی اہمیت کا حامل تھا۔ ان مشاعروں میں شرکت کیلئے جمیل الدین عالی، صہبا اختر، قتیل شفائی، حمایت علی شاعر، ضمیر جعفری اور پروین پاکستان سے تشریف لائیں تھیں۔"(۷)

امریکہ میں لوگوں کے جانے اور رزق کمانے کی رفتار کینیڈا کی نسبت زیادہ تھی۔ اس لیے لوگ زیادہ تر نیو یارک کی طرف محوِ سفر رہے۔ کینیڈا کی طرف کچھ لوگوں نے توجہ دی۔ یوں کینیڈا جیسا ملک بھی اُردو زبان کے حصار میں داخل ہو گیا۔ ٹورنٹو میں بے شمار ادبی تنظیمیں بن چکی ہیں۔ جو مختلف اوقات میں ادبی تقاریب سے مہاجروں کو بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ نیا نیا ہنر اور ٹیلنٹ سامنے آتا ہے۔ کتابوں کے شوقین اپنی کتابیں چھپوا کر دوستوں میں اور میڈیا میں تقسیم کرتے ہیں۔ مہاجر خاندانوں کو ادبی تقاریب کی شکل میں تفریح کا بہانہ مِل جاتا ہے۔ یہ لوگ آپس میں ملتے ہیں تو پیار، محبت، رشتہ داری، واقفیت اور بھائی چارے کی فضا کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ لوگوں کے دلوں میں نفرتیں کم ہوتی ہیں۔ نئی نسل کو اپنے بڑوں اور بزرگوں کے ادب و آداب کا پتہ چلتا ہے۔ ٹورنٹو ایک مکمل ادبی شہر بن چکا ہے۔ جو ادیب اور شاعر نیو یارک تقریب کے لیے جاتے ہیں۔ ٹورنٹو انہیں اپنے آپ ہی اپنے طرف کھینچ لیتا ہے۔ ٹورنٹو والوں کی اُردو اور ادب پروری کے حوالے سے ہی جمیل الدین عالی نے کہا تھا:

اتنی بار بلایا مجھ کو سننے مرا کلام

کہیں کراچی پڑنہ جائے ٹورنٹو کا نام

ٹورنٹو میں ڈاکٹر تقی عابدی کا ذاتی کتب خانہ ہے۔ عابدی صاحب کے کتب خانے میں ساڑھے چار ہزار کتابوں کا بہت بیش قیمت ذخیرہ ہے۔ اس میں مخطوطات اور نوادرات کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ مرثیے کے مخطوطات کی تعداد 1440 کے قریب ہے۔ وہ اپنے اس خزانے کو بادشاہوں کے خزانے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ ایک تصنیف کا نام "کواکب فارغ" ہے جو میر انیس کے شاگرد فارغ سیتاپوری کے ہاتھ سے لکھی ہوئی ہے۔ تقی عابدی صاحب ہمارے دور کے بڑے قیمتی انسان ہیں۔ اپنی زبان سے محبت اُنہیں ورثے میں ملی ہے۔ اُن کے کُتب خانے کا نام انہوں نے میر انیس کے نام پر "کتب خانہ بیادِ انیس" رکھا ہے۔ یہ اُردو کے عجائبات پر مشتمل کتب خانہ ہے اس کے علاوہ بھی بے شمار لوگ اُردو سے محبت کرنے والے مِل جاتے ہیں کتاب اور کتب خانے سے محبت کرتے ہیں۔ افتخار عارف ٹورنٹو کے کتب خانوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ٹورنٹو کی ایک اور خصوصیت جو اُسے دنیائے سارے اُردو نواز شہروں سے جدا کر کے ایک ممتاز اور منفرد مقام عطا کرتی ہے وہ یہاں کے صاحبِ علم، عاشقانِ دانش و حکمت کی اپنی نجی لائبریریاں ہیں۔ ایسے کتب خانے جن میں کتابوں کے اتنے بڑے وسیع اور منفرد خزینے ہیں جن کو جمع کرنے میں عشرے درکار ہوتے ہیں۔"(۸)

اس حقیقت سے ابھی تک کسی نے پردہ نہیں اُٹھایا کہ آخر امریکیوں کو اُردو سے دلچسپی کیوں ہے۔ پروفیسر منظور الدین احمد نے اس حقیقت سے پردہ اُٹھایا ہے۔ ہندوستان سے بے شمار نوجوانوں کو رنگروٹ بھرتی کے لیے لے جایا گیا۔ ان کے افسر امریکن یا برٹش لوگ تھے۔ یہ لوگ اُردو زبان بولتے تھے۔ امریکن کی مجبوری تھی کہ وہ اُردو سیکھیں۔ یوں امریکن افسروں کو اُردو زبان سکھائی جاتی تھی۔ جنگ کے اختتام پر ان ہندوستانیوں کی اکثریت بھی برطانیہ اور امریکہ میں رہائش پذیر ہو گئی۔ اُس دور میں امریکی وزارتِ خارجہ کی طرف سے زبان سیکھنے کے لیے باقاعدہ بجٹ جاری ہوتا تھا۔ اس فنڈ کا نام تھا "امریکی ڈیفنس فنڈ"۔ اس فنڈ سے اُردو کی تدریس کے علاوہ کتابیں بھی خرید

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

لی جاتیں جو کہ بعد میں کولمبیا یونیورسٹی کی زینت ہی بنیں یہی وہ فنڈ تھا جو اُن طالب علم (ملکی اور غیر ملکی) کو بھی دیا جاتا جو اُردو زبان سیکھنے کے لیے کولمبیا یونیورسٹی میں آتے تھے۔ اس یونیورسٹی نے اُردو کی تدریس کے سلسلہ میں بڑی کاوشیں کیں۔ بہت سے غیر ملکی طالبِ علم اُردو سیکھنے کے لیے اس یونیورسٹی میں تشریف لاتے۔ اب بھی کولمبیا یونیورسٹی میں طالبِ علموں کو معروف پروفیسر فرانسس پری شے کی نگرانی میں اُردو پڑھائی جا رہی ہے۔ ان طالبِ علموں میں امریکی اور ایشیائی شامل ہیں۔

1969ء کے اوائل میں کینیڈا اور امریکا میں تعلیم حاصل کرنے والوں کی ایک فعال تنظیم معرضِ وجود میں آگئی تھی۔ اس تنظیم کا نام PSAA (پاکستانی سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن آف امریکا اینڈ کینیڈا) تھا۔ یہ ایک فعال تنظیم تھی اور اس کے چلانے والوں میں نامی گرامی ادب نواز لوگوں کا ہاتھ تھا۔ امریکہ کی اکثر یونیورسٹیوں میں اس تنظیم کا عمل دخل موجود تھا۔ PSAA کا سالانہ پروگرام کسی بڑی یونیورسٹی میں ہوتا تھا۔ 1969ء کا سالانہ اجلاس نیوجرسی میں ہوا تھا۔ اس سالانہ پروگراموں میں اُردو کے متعلق مذاکروں، بحثوں اور تقاریر میں طالبِ علم زور و شور سے اُردو زبان سے محبت کے دعوے دار ہوتے۔ 1969ء کے سالانہ اجلاس میں مشاعرے کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ مشاعرے میں پڑھنے کے لیے شاعر کہاں سے آئیں گے۔ مشاعرے کے لیے فرشی انتظامات کیے گئے تھے۔ اجلاس کے ناظم نے شمالی امریکہ میں اُردو ادبی سرگرمیوں کے بانی اور انگریزی زبان کے استاد مامون ایمن کو مشاعرے کی صدارت کی درخواست اور دعوت دی۔ یہ شاید مامون ایمن کی صدارت میں پہلا مشاعرہ تھا جو اتنے بڑے پیمانے پہ ہو رہا تھا۔ وہ بڑا کامیاب مشاعرہ تھا۔ جس میں اُردو کے حصہ میں عزت و توقیر بڑھ کر آئی۔ مشاعروں کے علاوہ سیمینار، کانفرنسیں اور دیگر ادبی نوعیت کے پروگرام ترتیب دیئے گئے۔ اطہر رضوی لکھتے ہیں:

> "عالمی جوش سیمینار، عالمی غالب سیمینار، عالمی میر سیمینار اور عالمی انیس سیمینار کروائے گئے۔ جن میں اردو کے جید علماء، دانشوران، ناقدین کو برصغیر سے دعوتِ شمولیت دی گئی تھی اور جنھوں نے سیمیناروں میں متعلقہ موضوعات پر ریسرچ شدہ مقالے پڑھے تھے۔" (۹)

1978ء (نومبر) میں کولمبیا یونیورسٹی میں علامہ اقبالؒ کی صد سالہ تقریبات کا انتظام کیا گیا تھا۔ پروفیسر منظور الدین احمد کو اس جشن کا مہتمم بنایا گیا تھا اور ایک عدد مشاعرے کا اہتمام بھی عشائیے کے آخر میں رکھا گیا تھا۔ اس مشاعرے سے پہلے حاضرینِ محفل میں سے اکثر لوگوں نے علامہ اقبال کے فن اور شخصیت بارے اظہارِ خیال کیا۔ پاکستان سے اُس دور کے وزیر قانون اے کے بروہی صاحب صدارت کے لیے تشریف لائے۔ مامون ایمن کی نقابت میں اس جشن اور مشاعرے میں احساس ہی نہ ہوتا تھا کہ یہ پاک و ہند میں نہیں امریکہ کی ایک دور دراز یونیورسٹی میں ہو رہا ہے۔ اس پروگرام میں لوگوں نے اُردو اور اُس کی ترقی کے لیے کوششوں کو بھی سراہا۔ اب نیویارک میکسیکو اور کینیڈا کے ادبی حلقے اور اُردو بولنے والے بہت مضبوط اور توانا جذبوں کے ساتھ اُردو زبان کے ہم پلہ وقت اور پیسہ (ڈالر) نچھاور کر رہے ہیں۔ بے شمار تنظیمیں وجود میں آچکی ہیں۔ نیویارک سٹی میں ظفر زیدی جیسا مترنم پڑھنے والا شاعر بھی موجود تھا۔ جس نے اُردو کے لیے بہت سی کاوشیں کیں۔ کولمبیا یونیورسٹی کی ان خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ مامون ایمن جیسے اشخاص نے اپنا تن من دھن نچھاور کیا تب اُردو زبان نے ترقی کی۔ اُردو ان منازل کے خواب دیکھنے کے قابل ہوئی، جو اُردو کا حق اور فرض ہے۔ اس کے علاوہ افتخار سحر، طاہر اسدی، جاوید عادل رشید اور بہت سے ادیب اور شاعر اُردو کی محافل میں کچھ نہ کچھ مزید کرنے کی جستجو کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔

یہ چھوٹی چھوٹی انجمنیں اپنا کام اُردو کے حوالہ سے احسن طریقے سے کر رہی ہیں۔ ابتدا میں حامد علی خان اور ڈاکٹر راجی داس مہتاب سیٹھی نے بھی ان انجمنوں کی حوصلہ افزائی کے لیے نمایاں کردار ادا کیا۔ پروفیسر سلطان محمود نے بھی اُردو زبان کے لیے بہت محبتیں نچھاور کیں۔ انہوں نے شمالی امریکہ میں مشرقی مشاعروں کی داغ بیل ڈالی۔ یہ ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے مگر پروفیسر صاحب کی ہمت اور کاوش کے ذریعے یہ مرحلہ بھی آسان ہوتا گیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے ستر کی دہائی میں امریکہ میں اُردو کو متعارف کروایا۔ کسی بھی زبان کے لیے اُس کے ہمدردوں اور عاشقوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اُردو زبان شمالی امریکہ میں اِسی لیے تیزی سے مراحل طے کرتی گئی کہ اس کے چاہنے والے اس سے محبت کرتے تھے۔ ورنہ بنگالی تو تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ مگر شہرت اُردو کے حصہ میں آئی۔ خواتین نے بھی ان محافل میں بھرپور حصہ لیا۔ بیگم رشیدہ عیاں حیدر، حمیرا رحمان، صبیحہ صبا اور فرحت زاہد نے بھرپور طریقے سے خواتین کی نمائندگی کی۔ فرحت زاہد کے دیوان "لڑکیاں ادھوری ہیں" نے خواتین کی شاعری میں نئے باب کا اضافہ کیا۔ عموماً شمالی امریکہ میں خواتین میں نقابت کے فرائض زریں یاسین ادا کرتی ہیں۔ اُن کی نقابت سے ایک سماں بندھ جاتا ہے۔ پروفیسر منظور الدین احمد رقمطراز ہیں:

Vol.4 No.3 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7615

"نیو یارک کی نسبتاً نئی تنظیموں میں "اُردو مرکز" ، نیو یارک اور ایشین آرٹس فورم، نیو جرسی کے نام نمایاں ہیں۔ یہ دونوں تنظیمیں گزشتہ چند برسوں سے بالترتیب نوجوان شاعر رئیس وارثی اور خوش گلو سردار سوز کی سرکردگی میں ادب کی خدمت باقاعدگی سے کر رہی ہیں۔"(۱۰)

کسی نئی جگہ کسی زبان کا پنپنا اُسی شکل میں ممکن ہوتا ہے جب کچھ دیوانے اپنی زبان (اُردو) کو اپنے اوپر سوار کرتے ہیں۔ شمالی امریکہ میں بھی اکثر لوگوں نے جن کا تعلق ایشیا اور خاص طور پر پاک وہند سے تھا۔ اُردو سے پیار کیا اور اپنی اس زبان کے لیے باقاعدہ محافل کا انعقاد کیا۔ اس وقت مامون ایمن (بابائے اُردو) بہت زیادہ تگ و دو میں مصروف ہیں۔ وہ اکثر محافل کا انعقاد کرتے ہیں۔ اُن کی شخصیت کا سحر ہے کہ ادیب اور شعراء کرام ان محافل میں شریک ہوتے ہیں۔ اُردو زبان کے حوالہ سے جتنی تحقیق اور جتنا نکھار اُردو زبان پہ آرہا ہے۔ اس سے یقین ہوتا ہے کہ آنے والا کل اُردو زبان کا ہے۔ امریکن اور دیگر اقوام کے لوگ اُردو ذوق و شوق سے اُردو سیکھ رہے ہیں۔ امریکہ کی یونیورسٹیوں کا یہ کردار ہمیشہ یاد رکھا جائے گا کہ ان یونیورسٹیوں نے دیگر زبانوں کو بھی کماحقہ حصہ دیا ہے۔

امریکہ میں مشاعروں اور ادبی تقریبات کا سیزن یا موسم ہوتا ہے۔ ستمبر میں یہ تقریبات شروع ہو جاتی ہیں۔ بے شمار تنظیمیں اپنے اپنے مسائل اور وسائل کے مطابق پورے امریکہ میں ادبی محافل کا انتظام کرتی ہیں۔ کہیں افسانوں کی کتاب کی تقریب رونمائی ہو رہی ہے کہیں مشاعرہ ہو رہا ہے۔ کہیں کانفرنسیں ہو رہی ہیں۔ یہ سب تنظیمیں ادب کی خدمت کر رہی ہوتی ہیں۔ اچھی بات یہ ہے کہ اب اُردو ادب سے شغف رکھنے والا شخص ان محافل سے دور نہیں۔ اُردو زبان کا پورے امریکہ میں اس طرح کا استقبال اس سے پہلے ممکن نہ تھا۔ مگر جس تیزی سے مشاعروں اور محافل نے لوگوں کو اس طرف راغب کیا ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ کچھ لوگ ان مشاعروں اور تقاریب میں ادب خرید کر بھی شامل ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا ادبی لوگوں اور دیگر افراد کو پتا ہے۔ لاس اینجلس میں اعلیٰ پائے کا ادب تخلیق ہو رہا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مشاعروں کی اس تفریح کو رفاعی کاموں کی طرف موڑ دیں تاکہ ان محافل سے لوگوں کی اصطلاح بھی ہوتی جائے۔ نثر میں مجید اختر، لالی چوہدری، آصف علی شاد اور خالد خواجہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ شاعروں میں محترم فرحت شہزاد، آصف علی شاد، نجیب اختر، ظفر عباس، جعفر عباس اور عارف امام صاحب ہیں جو بہت بہترین شاعری کر رہے ہیں۔ کچھ لوگ پیرا سائنٹک شاعری بھی کرتے ہیں۔ مگر ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے اور مزے کی بات ہے کہ لوگ اُن کو جانتے ہیں۔ پیرا سائنٹک سے مراد ایسی شاعری سے جو شاعر کی اپنی نہیں ہوتی۔ اُس نے کسی سے مستعار لی ہوتی ہے۔ ادبی تنظیموں میں "اُردو مرکز" بڑی فعال تنظیم کے طور پر سامنے آئی ہے۔ "اُردو مرکز" کوئی تقریب کرواتا ہے تو پھر اُس کا یادگاری مجلہ بھی شائع کرتا ہے۔ جو کسی خاص موضوع پر ہوتا ہے۔

فروغِ اُردو کے سلسلہ میں پاک وہند میں سب سے پہلے وائس آف امریکہ، برطانیہ کی بی بی سی سروس کا معروف پروگرام سیر بین، آل انڈیا ریڈیو بھارت، ریڈیو تہران ایران، ریڈیو قاہرہ مصر اُردو سروس، ریڈیو کویت، صدائے پاکستان نیو جرسی، ریڈیو ہمسفر، نارتھ امریکہ / کینیڈا، ریڈیو پاکستان ٹورنٹو، امیر ریڈیو، یوکے، ایشین سٹار ریڈیو، یوکے، CINA ریڈیو کینیڈا، آواز ایف ایم، ساؤتھامٹن، یوکے، پنج ریڈیو امریکہ، بریڈ ریڈیو ایشین ریڈیو، یوکے، ریڈیو زندگی امریکہ، اس کے علاوہ بھی بہت سے آوازیں ہیں جو ریڈیو کی شکل میں اُردو کی خدمت کے ہمیشہ کمربستہ رہتی ہیں۔

متحدہ ہندوستان میں آواز کا پہنچنا ایک حیرت انگیز واقعہ تھا۔ جب یورپین کے ذریعے ریڈیو عوام تک پہنچا تو لوگوں کو آگاہی ہوئی کہ ہندوستان کے علاوہ بھی ایک بڑی دنیا ہے جس میں ہزاروں اقسام کے معاملات ہوتے ہیں۔ جن میں جنگ، طوفان، سیلاب اور دیگر مسائل اور خوشیاں جنم لیتی ہیں۔ تب ریڈیو نے اکثر امیر گھروں میں جگہ بنانا شروع کی۔

ریڈیو سے پہلے اخبارات اور رسائل تھے۔ جو حتی الامکان حد تک جبری پابندیوں کے باوجود لوگوں کو معلومات فراہم کرتے تھے۔ اخبارات اور رسائل سے لوگوں کو بہت زیادہ شعور اور آگاہی آئی۔ لوگوں کو کم از کم یہ اندازہ ضرور ہوا کہ ہندوستان میں کیا ہو رہا ہے۔ رسائل نے بھی لوگوں کو عالمی مسائل، افسانہ، شعر اور ناول نگاروں کے قبیلوں سے متعارف کروایا، مگر یہ اخبارات اور رسائل پڑھے لکھے لوگوں کے لیے مختص تھے۔ عام آدمی جو کہ پڑھا لکھا نہ تھا۔ اُس کو ریڈیو نے آگاہی دی۔ ریڈیو اُس کے کانوں کے ذریعے دل تک پہنچا۔ یوں ریڈیو بہت جلد عام عوام میں مقبول ہو گیا۔ اوائل میں پورے محلے میں کسی ایک شخص کے پاس ریڈیو ہوتا۔ وہ ریڈیو لے کر گھر کے باہر بیٹھ

Vol.4 No.3 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7615

جاتا۔ اِرد گرد بے شمار لوگوں کا تانتا بندھ جاتا۔ یوں ریڈیو سُننے والوں کی کثیر تعداد دنیا کے حالات سے باخبر ہوئی۔ شروع شروع میں ریڈیو بجلی کے ذریعے چلتا تھا۔ وقت بدلا تو ٹرانسسٹر ریڈیو آگیا۔ سیل کے ذریعے ریڈیو چلنے لگا۔ ڈاکٹر طارق محمود رقم طراز ہیں:

> "اُردو زبان و ادب کے فروغ کے لیے مقامی سطح پر ریڈیو کا کردار سے تمام اہل نظر گواہ ہیں۔ بلکہ کئی ایک معتبر اہل قلم اور زبان و ادب کے جید علماء و اہلِ دانش خود اس عمل کا حصہ رہے ہیں۔ اُردو شعر و ادب سے وابستہ بعض ہستیوں کے سوانحی کوائف دیکھے جائیں تو خود اُن کی ذہنی پرورش میں ادارے کا نمایاں کِردار ہے۔"(۱۱)

شمالی امریکہ میں بھی ریڈیو، اخبارات اور رسائل نے ہی لوگوں کو آگاہ کیا۔ رسائل اور اخبارات تو ممکن حد تک پہنچ پاتے مگر ریڈیو تو دنیا کے کونے کونے میں پہنچ چکا تھا۔ شمالی امریکہ میں بھی ریڈیو پر اُردو سروس کا آغاز ہوا۔

پروفیسر مامون ایمن ایسی شخصیت پر کئی مقالات لکھے جاسکتے ہیں کہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن اور ادارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ موصوف وائس آف امریکہ کے علاوہ بی بی سی اُردو سروس اور گڈ مارننگ ایشیائی وی پروگرام سے بھی وابستہ رہے۔ انہوں نے امریکہ کی تاریخ میں اُردو کا پہلا مشاعرہ 12 اگست 1964ء کو کرایا۔ اُن کی کاوشوں سے نیویارک ریاست میں 1978ء میں اُردو کو ہائی سکول کے درجہ پر بحیثیت ثانوی زبان منظور کیا گیا۔ اُن کے اُردو کے شعبے میں کام کرنے سے آج اُردو کو شمالی امریکہ میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ وہ خود بھی بے شمار کتب کے تخلیق کار ہیں۔

ڈاکٹر برائن سلور وائس آف امریکہ کے شعبہ اُردو کے سربراہ رہے۔ وہ اُردو سے بے حد پیار کرتے تھے۔ انھوں نے اُردو کے لیے بے شمار خدمات پیش کیں۔ ورجینیا میں ایک پروگرام ترتیب دیا گیا۔ "ورجینیا کی ایک شام غالب کے نام" یہ تقریب "کراچی المنائی" کی جانب سے منائی گئی۔ اس تقریب کے لیے ڈاکٹر برائن سلور نے غالب کے بارے میں بہت خوب صورت مضمون لکھا۔ ڈاکٹر برائن سلور کے علاوہ جان ہنسن نے بھی غالب کے بارے میں اظہارِ خیال کیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو اُردو ادب اور اُردو زبان کے لیے بیش قیمت خدمات پیش کر رہے تھے۔ برائن سلور نے بے شمار پاکستانیوں سے اُردو میں انٹرویو کیے۔ وہ بہترین اُردو بولنے والے غیر ملکی تھے۔ اُن کی اُردو کے لیے خدمات کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

ڈاکٹر کارلا کپولا جو کہ امریکن یونیورسٹیوں میں اُردو ڈیپارٹمنٹ میں اہم عہدوں پر فائز رہے۔ انہوں نے بھی اُردو زبان کے لیے گراں قدر خدمات سر انجام دیں۔ انھوں نے امریکی یونیورسٹیوں میں ساؤتھ ایشین ایسٹ سٹڈیز کے تحت اُردو کا علیحدہ شعبہ قائم کیا۔ جن میں کولمبیا یونیورسٹی، پنسلوینیا یونیورسٹی، کارنل یونیورسٹی، شکاگو یونیورسٹی، منسوٹا اور برکلے یونیورسٹی بھی شامل ہے۔ یہ دو یونیورسٹیاں ساری دنیا میں اُردو کے حوالہ سے اپنی خصوصی پہچان رکھتی ہیں۔ اُن کے خیال میں آئندہ کچھ عرصے میں امریکہ کی مزید پندرہ یونیورسٹیوں میں اُردو شعبہ قائم کر دیا جائے گا۔ 1982ء، 1988ء میں کارنل یونیورسٹی میں 1988-1987 کے تعلیمی سال میں پروفیسر پیٹرک غیر ملکیوں زبانوں کے شعبے سے منسلک رہے۔ 1988-1989 میں مسز گھیبر نے یہ فرائض سر انجام دیے۔ کارنل یونیورسٹی میں اُردو کتابوں کا ایک معقول ذخیرہ موجود ہے۔

اینڈریو میک کورڈ نیویارک کے رہنے والے شاعر اور محقق ہیں جو اُردو بڑے خوبصورت انداز سے بولتے ہیں۔ اُن کی اُردو سُن کر کوئی آدمی یہ کہہ نہیں سکتا کہ اس کا تعلق امریکہ جیسے ملک سے ہے۔ اُن کی شاعری کی انفرادیت بہترین اور مزاج اعلیٰ پائے کا ہے۔ اینڈریو میک کورڈ پاک و ہند کے شعرا کرام سے بہت متاثر ہیں۔ وہ فیض احمد فیض پر کتاب لکھ رہے ہیں۔ اُردو زبان دوسرے غیر ملکیوں کو بھی متاثر کرتی ہے۔ اکثر اُردو ادب کی محافل میں ایسے غیر ملکی شامل ہوتے ہیں۔ جن کو اُردو زبان پر دسترس نہیں ہے مگر وہ نصرت فتح علی، راحت فتح علی، لتا منگیشکر کے اس لیے دیوانے ہیں کہ اُن کی شاعری کا انتخاب اچھا ہوتا ہے۔

کئی امریکی یونیورسٹیوں میں ساؤتھ ایسٹ ایشین سٹڈیز کے تحت اُردو کا علیحدہ شعبہ قائم ہے۔ جن میں کولمبیا، پنسلوینیا، کارنل، شکاگو، منسوٹا اور برکلے نامی یونیورسٹیاں خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان میں لائبریریاں اور لائبریریوں میں اُردو کتب کا اثاثہ موجود ہے۔ اندازہ ہے کہ تقریباً پندرہ یونیورسٹیاں ایسی ہیں جن میں اُردو پر تحقیق اور کام ہو رہا ہے۔ کارنل یونیورسٹی کی لائبریری میں اُردو کتابوں کا ایک معقول ذخیرہ موجود ہے۔

دنیا بھر میں خواتین کسی بھی شعبے میں مردوں سے پیچھے نہیں۔ اُردو افسانہ ہو، اُردو غزل ہو، یا اُردو ناول کے علاوہ اُردو ادب کی تمام اصناف میں خواتین پیش پیش ہیں۔ شمالی امریکہ میں بھی خواتین بھی اُردو زبان کی خدمت ہر اول دسے کا رول ادا کر رہی ہیں۔ افسانہ اور غزل میں خواتین بہترین خدمات سے اُردو ادب کی آبیاری کر رہی ہیں ۔ غزل اور شاعری میں رضیہ کاظمی، عالیشہ مسعود ملک، ڈاکٹر شہلا نقوی، زریں یاسین، فرحت زاہد، ڈاکٹر صبیحہ صبا، نغمہ صبوحی، رشیدہ عیاں، قانعہ ادا، طلعت اشارت (مرحوم)، حمیرا رحمان، موناشہاب۔ افسانے میں عشرت آفریں، صفیہ احمد، سائرہ امام، شائستہ سید ایمن، فرحت پروین، لالی چودھری، رضیہ فصیح احمد، رضوانہ اقبال، سالحہ جبین انور، رضیہ مشکور، رعنا کوثر، سکینہ وسیم عباس، شائستہ عالم، آصفہ نشاط، شہلا نقوی، شہناز شورو، نسیم سید اور شہلا رفیق ہیں۔ جن کے افسانے شہرت کی بلندیوں پر شمار کیے جاتے ہیں۔

اِسی طرح مردوں میں بھی بے شمار شاعر اور افسانہ نگار ہیں۔ جو شمالی امریکہ کے ادب میں ایک توانا آواز بن کر سامنے آرہے ہیں۔ ارشاد صابر محترمہ شکیلہ رفیق کے افسانوں کے بارے میں رقمطراز ہیں:

> "اُن کے جملوں میں اکثر اوقات ایک عجیب سی اسراریت بھی ہوتی ہے۔ بالخصوص ان پنچ لائن ان کی اہم خوبی ہے۔ کیا قدرت ہے ان کو زبان پر، یہ اکثر اوقات اُن ہی پنچ لائنوں سے کہانیوں کے عنوان بناتی ہیں"(۱۲)

شمالی امریکہ افسانہ نگار خواتین کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ وہ اُردو ادب کی باریکیوں کو سمجھتے ہوئے افسانے کے معیار کو سمجھتی ہیں اور تب کہانی یا افسانے پر طبع آزمائی کرتی ہیں۔ پروفیسر سحر انصاری نے شکیلہ رفیق کی کتاب کو ترتیب دیا ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ شکیلہ رفیق کے افسانوں میں اپنے عہد کے ادبی مسائل کے علاوہ سماجی اور فکری مسائل بھی افسانے کو انفرادیت سے ہمکنار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ عورتوں کا اس میدان میں آنا خوش آئند ہے۔ اس سے افسانے اور شعر و ادب کے رُخ کو تبدیلی کی فضا میسر آئی ہے۔ خواتین افسانہ نگاروں نے زندگی سے زیادہ قریب ہو کر زندگی کو سمجھا اور برتا ہے۔ کچھ چیزیں مردوں کی نگاہوں میں اثر پذیر نہیں ہوتیں۔ جو خواتین کی تحریروں میں دکھائی دیتی ہیں۔

شمالی امریکہ جیسے ملک اور علاقے میں خواتین کا اتنی بڑی تعداد میں اُردو ادب کے لیے سامنے آنا یقیناً یہ ایک کرشماتی چیز ہو سکتی ہے۔ شاعری میں خواتین نے خوب لکھا۔ شمالی امریکہ میں اُردو زبان کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے پیشِ نظر کہا جاسکتا ہے کہ شمالی امریکہ میں سے ہمیں اچھی شاعری اور افسانہ پڑھنے کو مِلے گا۔ زمین زرخیز ہو تو فصل بہت اچھی ملنے کی توقع ہوتی ہے۔ شمالی امریکہ میں پڑھے لکھے مہاجر خاندانوں میں اصول و ضوابط کی پابندی ہی انہیں دوسروں سے منفرد کرتی ہے۔ پاک و ہند سے آئے ہوئے یہ مہاجر خاندان اپنی قابلیت اور ذاتی ذہانت کی وجہ سے شمالی امریکہ میں اپنی جگہ بنا پائے۔ شمالی امریکہ میں بسنے والے اکثر خاندانوں کو کچھ مسائل کا بھی سامنا ہے۔ جسے وہ اُردو کے ذریعے دور کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ پاک و ہند سے ہجرت کرنے والی پہلی نسل عمر کے اُس حصہ میں ہے جہاں پر اُردو ادب کے لیے پیش بہا خدمات سر انجام دی جاسکتی ہیں اور وہ لوگ وہ نسل وہ اہلِ ذوق شمالی امریکہ کے عالمی معیار کے مطابق ادب تخلیق کرنے میں مصروف عمل ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ شمالی امریکہ میں اُردو کی بہتری کے لیے کیا مزید اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔

اُردو زبان میں معیاری ادب کی تخلیق بھی تارکین وطن اور مہاجر خاندانوں کے نزدیک بہت ضروری اور لازمی ہے۔ علمی و ادبی موضوعات کے علاوہ دیگر موضوعات کو بھی اُردو ادب کی زینت بنانے کے لیے تحقیق کا دروازہ کھُلا رکھنا ضروری اور لازمی ہے۔ اُردو زبان اور شمالی امریکہ ایک اہم ترین مضمون ہے اس پر اجتماعی نقطہ نظر سے کام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ تارکین وطن کے آپس کے نفسیاتی و سماجی مسائل اور دیگر موضوعات پر اُردو ادب میں بہترین فکشن کی طرف توجہ دینا نہایت ضروری اور لازمی ہے۔ شمالی امریکہ میں اُردو زبان کے ادیب اور شعراء کرام وہاں کی تکنیک کے ذریعے اپنے موضوعات و مسائل کو احاطہ بنا کر اچھی نثر، افسانہ، ناول اور شاعری تخلیق کر سکتے ہیں اور یہ وقت کی ضرورت بھی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ادریس، تبسم، (۲۰۱۹ء) تہذیبوں کی ریسائیکلنگ، لاہور، فکشن ہاؤس، ص:۱۰۱

Vol.4 No.3 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7615

۲۔ طاہر تبسم، محمد، (۱۹۹۶ء) بیرونی ممالک میں اُردو، مرتبہ ڈاکٹر انعام الحق جاوید، مقتدرہ قومی زبان، ص:۴۳۹

۳۔ عارف افتخار، (۱۹۹۴ء)، بیرونی ممالک میں اُردو، ڈاکٹر انعام الحق جاوید، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ص:۵

۴۔ نیر جہاں، (۲۰۰۸ء) (افتتاحی خطبہ) اُردو کی نئی بستیاں مرتب گوپی چند، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص:۹

۵۔ جعفری، جواز (۲۰۰۱ء)، اُردو افسانے کا مغربی دریچہ، کتاب سرائے پبلشرز، ص:۱۷

۶۔ تاج، افروز، (۲۰۱۹ء)، امریکہ میں اُردو افسانہ، مامون ایمن، فیصل آباد، مثال پبلشرز، ص:۱۷

۷۔ رضوی، اطہر، (۲۰۰۸ء)، اُردو کی نئی بستیاں، مرتب گوپی چند نارنگ، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص:۲۰۹

۸۔ عارف افتخار، (۱۹۹۴ء)، بیرونی ممالک میں اُردو، ڈاکٹر انعام الحق جاوید، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ص:۵

۹۔ رضوی، اطہر، (۲۰۰۸ء)، اُردو کی نئی بستیاں، گوپی چند نارنگ، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص:۲۱۱

۱۰۔ منظور الدین احمد، (۲۰۱۳ء)، نیویارک میں اُردو غزل، مامون ایمن، لاہور، اورئینٹل پبلی کیشنز، ص:۱۵

۱۱۔ محمود، طارق، ہاشمی، (۲۰۱۹ء)، ریڈیو کے عالمی ادارے اور فروغِ اُردو، مرتبہ ڈاکٹر سمیرا اکبر، لاہور، عکس پبلی کیشنز، ص:۹

۱۲۔ ارشاد صابر، عثمانی، (۲۰۰۸ء)، اُردو کی نئی بستیاں گوپی چند نارنگ، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص:۶۸